تعارف وتبصرہ

MIR, MUSTANSIR, THEMETIC AND STRUCTURAL COHERENCE IN THE QU'RAN: STUDY OF ISLAHI'S CONCEPT OF NAZM.
INDIANAPOLIS (U.S.A.) 1983, PP 125

کوہرنس اِن دی قرآن
(مولانا امین احسن اصلاحی کے تصورِ نظمِ قرآن کا مطالعہ)

زیرِ نظر تصنیف، جو عہد حاضر کے نامور مفسر مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر "تدبر قرآن" میں ان کے پیش کردہ تصور نظم سے بحث کرتی ہے، دراصل جناب مستنصر میر کے ڈاکٹریٹ کا مقالہ ہے جس پر انھیں ۱۹۸۳ء میں مشی گان یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری ملی۔ اس کے بعض مضامین مسلم ورلڈ، ہمدرد اسلامیکس اور اسلامک کوارٹرلی میں شائع ہو چکے ہیں۔

اس کی فہرست مضامین میں مقدمہ کے علاوہ سات ابواب اور دو ضمیمے شامل ہیں۔ مقدمہ میں مصنف نے قدیم تفاسیر کی الگ الگ نوعیت یا ان کے جداگانہ اغراض کا تذکرہ کرتے ہوئے جو بات قدر مشترک کے طور پر ان میں محسوس کی ہے وہ یہ ہے کہ ان تفسیروں میں آیتوں کی تفسیر اس انداز سے نہیں کی گئی ہے جس سے ان کا ربط ماقبل ومابعد کی آیات سے ظاہر ہوتا ہو یا ان میں کسی قسم کے ربط و نظم کو ملحوظ رکھا گیا ہو۔ ان کے خیال میں اس رویہ کے پس پشت مفسرین کا یہ عمومی تصور کارفرما معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر کے نقطۂ نظر سے قرآن مجید میں آیتوں اور سورتوں کی ترتیب بہت زیادہ اہمیت نہیں رکھتی جیسا کہ امام مالکؒ اور باقلانیؒ نے یہ خیال ظاہر فرمایا ہے کہ رشد وہدایت کے باب میں ترتیب آیات وسور کچھ بھی معاون نہیں۔ اس نقطۂ نظر کا نتیجہ ہے کہ اہل مغرب نے بھی قرآن کو غیر مرتب اور غیر منسلم کلام سمجھ لیا اور اسی وجہ سے جان میرل اور دوسروں نے اپنے اس احساس کا اظہار کیا کہ چونکہ بیشتر اہل مغرب کو قرآن کی صورتوں میں کسی قسم کی منطقی ترتیب کا فقدان محسوس ہوتا ہے اس لیے

اس کا مطالعہ ان کے لیے ہمت شکن ثابت ہوا ہے (ص ۲)

قرآن مجید کے سلسلہ میں ہمارے مفسرین اور مشرق و مغرب کے دیگر محققین کا یہ عام رویہ ہے جس کا مصنف نے تذکرہ کیا ہے ورنہ وہ ان علما تفسیر سے بخوبی واقف معلوم ہوتے ہیں جو نظم کے قائل رہے ہیں۔ چنانچہ کتاب کے پہلے باب میں انھوں نے نظم قرآن کے تصور سے متعلق ایک مجمل تاریخی جائزہ پیش کیا ہے اور دوسری صدی ہجری سے لے کر حالیہ دور تک کے علمار کے تصور نظم سے بحث کی ہے۔ نیز یہ بتایا کہ وہ کس نوعیت کے نظم کو پیش کر سکے ہیں۔ اس ضمن میں مصنف نے ان علمار کو دو گروپوں میں تقسیم کیا ہے: ایک وہ جو محض لفظی معنوی ارتباط کو نظم کہتے ہیں اور وہ علمار جنھوں نے آیتوں اور کہیں کہیں سورتوں میں بھی ربط اور مناسبت تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ متقدمین میں سے پہلے طبقہ میں امام خطابی، امام باقلانی، علامہ عبد القاہر جرجانی اور امام زمخشری آتے ہیں۔ ان سے قبل جاحظ اور واسطی نے بھی نظم قرآن پر کتابیں لکھی تھیں جو ناپید ہیں۔ دوسرے طبقہ میں مصنف نے سب سے پہلے امام زرکشی کا تذکرہ کیا ہے اور قرآنی علوم پر ان کی اہم ترین تصنیف "البرہان فی علوم القرآن" کی فصل "معرفۃ مناسبات بین الآیات" کا حوالہ دیا ہے جس میں امام موصوف نے قرآن میں ربط و مناسبت کی تلاش کو ایک دشوار گذار مرحلہ بتاتے ہوئے اس ضمن میں امام رازی کی خدمات کو سراہا ہے۔ امام رازی کو نظم قرآن سے جو مناسبت رہی ہے اس کی تعریف امام جلال الدین سیوطی نے بھی کی ہے اور اس موضوع پر اپنی ایک کتاب کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

ڈاکٹر مستنصر نے اس بحث کے آغاز میں (ص ۱۱ کے حاشیہ پر) بعض تفسیروں کے نام دیئے ہیں جن میں نظم کی رعایت ہے۔ مثلاً امام بقاعی کی "نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور"، مہائمی کی "تبصیر الرحمن وتیسیر المنان" اور علامہ جلال الدین محمد بن احمد بن نصیر الدین کی "تفسیر محمدی فی رباط الآیات"۔ یہ تفسیریں جیسا کہ ان کے نام سے ظاہر ہے موخر الذکر زمرہ ہی میں آتی ہیں۔ لیکن مصنف کو چونکہ ان کے متعلق تاخیر سے معلومات حاصل ہوئیں اس لیے انھوں نے ان کا تذکرہ اپنے مقررہ کردہ گروپ کے تحت نہیں کیا۔ قائلین نظم میں سے بعض اہم شخصیتیں نظر انداز ہو گئی ہیں جو اسی طبقہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ مثلاً شیخ ابوبکر نیشاپوری، علامہ ابو جعفر بن زبیر اور شیخ ولی الدین ملوی وغیرہم۔ امام جلال الدین سیوطی نے ان کا ذکر بہت ہی آب و تاب کے ساتھ کیا ہے۔

امام رازی جو اس سلسلہ کی سب سے اہم کڑی ہیں ان کے تتبع کرنے والوں کی فہرست میں سے بعض نام ڈاکٹر مستنصر نے گنائے ہیں اور کچھ جدید قائلین نظم کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ لیکن مصنف کا خیال ہے کہ دونوں ہی گروپ کے علمار تفسیر میں سے کسی نے بھی پورے قرآن کو ایک منظم کتاب کے طور پر پیش نہیں کیا ہے اور نہ قرآن میں نظم کے پہلوؤں کو اطمینان بخش طور پر اجاگر ہی کیا ہے کہ وہ اپنی ہئیت و ترکیب اور معنی و مواد دونوں اعتبار سے ایک منظم کلام معلوم ہو۔ یہ کارنامہ فی الحقیقت مولانا اصلاحی نے اپنی تفسیر "تدبر قرآن" میں انجام دیا ہے۔ چنانچہ ان کے یہاں نظم کے اصطلاحی معنی بنیادی طور پر اس سے بہت مختلف ہیں جو پیش رو مفسرین نے مراد لیے ہیں (ص ۲۴)

مولانا اصلاحی نے اس مخصوص تصور نظم کے اصول اپنے استاذ مولانا حمید الدین فراہیؒ سے لیے ہیں اور حتی الوسع انھیں اپنی تفسیر میں ملحوظ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اس ضمن میں مصنف نے تدبر قرآن کے مقدمہ اور مولانا فراہیؒ کی "دلائل النظام" کو سامنے رکھ کر ان اصولوں سے بحث کی ہے بالخصوص مولانا اصلاحی نے فہم قرآن کے داخلی اور خارجی وسائل پر جو کچھ لکھا ہے اس کا ذکر کیا ہے۔ ساتھ ہی امام ابن تیمیہؒ اور زرکشیؒ کے بیان کردہ اصول کو معیار مان کر مولانا فراہی و اصلاحی کے پیش کردہ بنیادی اصولوں کو ان پر پرکھا ہے۔ اس معاملہ میں دو باتیں مصنف کے لیے پریشانی کا باعث ہوئی ہیں: ایک تو تفسیر کے باب میں سنت کی حیثیت اور اس کا درجہ جسے ابن تیمیہ، زرکشی اور دیگر ائمہ نے تفسیر القرآن بالقرآن کے اصل الاصول کے بعد دوسرے اصول کی حیثیت سے پیش کیا ہے جبکہ مصنف کے خیال میں مولانا فراہی و اصلاحی نے اسے ظنی ٹھہرا کر فرع کے درجہ میں رکھ دیا ہے۔ دوسرے شان نزول جسے ائمہ تفسیر نے قرآن فہمی کے لیے ایک اہم وسیلہ قرار دیا ہے جبکہ مولانا فراہی و اصلاحی نے اسے بطور ایک اصول یا وسیلہ کے پیش تو کیا ہے مگر اس کی تعبیر و تشریح اس طرح کی ہے کہ اس کی اہمیت بہت کم ہو جاتی ہے (ص ۲۹)

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے مصنف کو غالباً بعض دیگر اصحاب کی طرح مولانا فراہی کے متعلق یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ وہ سنت، حدیث اور آثار صحابہ کو باعتبار اصل کے وہ اہمیت نہیں دیتے جو فی الواقع ان کی ہے۔ عام تفسیری روایات سے صرف نظر کرتے ہوئے جن کے بڑے حصہ پر خود ائمہ فن نے نقد کیا ہے وہ احادیث و آثار جو تفسیر کی کتابوں میں کسی لفظ یا آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں

منقول ہیں اور جن کی صحت پر اتفاق ہے ان کے متعلق ائمہ تفسیر اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ وہ متعلقہ آیت یا لفظ کی پوری تشریح و تفسیر ہیں یا ان کے کل مفہوم کو متعین کرتی ہیں۔ جیساکہ امام ابن تیمیہ نے "مقدمہ فی اصول التفسیر" میں فرمایا ہے کہ :

"اس قسم کی تفسیروں میں کسی ایک نوع کا تذکرہ کر دیا گیا ہے جو آیت کے عموم میں داخل ہے۔ غرض یہ ہے کہ سامع سمجھ جائے کہ آیت کے عموم میں یہ بات بھی داخل ہے۔"

تفسیر کی کتابوں میں اکثر ایک ہی آیت کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین کے جو مختلف اقوال نقل ہوتے ہیں ان سے اس حقیقت کو سمجھا جا سکتا ہے۔ مولانا فراہیؒ نے اسی اعتبار سے کسی حدیث سے آیت کی ایک ہی متعین تفسیر کو قطعی اور یقینی مان لینے کے بجائے دوسرے معنی مراد لیے جانے کی گنجائش کو باقی رکھنا مناسب خیال کیا ہے۔ لیکن اگر کوئی اسی ایک معنی کو مراد لے جو اس ایک حدیث سے ظاہر ہوتا ہے تو یہ بھی ان کے نزدیک ماموں طریقہ ہے۔ (دلائل ص ۶۹) گرچہ اسے قطعی اور یقینی نہیں کہہ سکتے کیونکہ دوسرے احتمالات خود روایتوں ہی میں موجود ہیں یعنی حدیث کا غیر یقینی یا ظنی ہونا اس کے کسی ایک ہی معنی پر مکمل دلالت کے اعتبار سے ہے نہ کہ باعتبار اصل کے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا فراہی نے احادیث کی تاویل قرآن سے کرنے کی رائے پیش کی تاکہ روایتوں کے اختلاف یا ان میں بظاہر تعارض نظر آنے کی صورت میں ان میں باہم تطبیق دی جا سکے جیساکہ سورہ کوثر کی تفسیر میں مولانا نے لفظ "کوثر" سے متعلق مختلف روایتوں میں تطبیق دی ہے ویسے جہاں تک اصول کا تعلق ہے انھوں نے احادیث و روایات صحیحہ کے سلسلہ میں اپنا مسلک وہی بتایا ہے جو دیگر ائمۂ فن کا ہے۔ فرماتے ہیں:

"پہلی چیز جو قرآن میں مرجع کا کام دے سکتی ہے وہ خود قرآن ہے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کا فہم ہے۔ پس میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مجھے سب سے زیادہ پسند وہی تفسیر ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہو" (فاتحہ تفسیر نظام القرآن، ص ۷)

شان نزول کے متعلق مولانا فراہیؒ نے جو کچھ لکھا ہے وہ امام زرکشیؒ اور امام رازیؒ کے خیالات کے مطابق ہے جیساکہ ان کے مقدمہ تفسیر میں ان ائمہ کی رایوں کے حوالہ سے ظاہر ہوتا ہے اور یہی رائے ابن تیمیہؒ کی بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اور امام زرکشیؒ نے بھی فہم قرآن کے لیے اسے

اصول کے درجہ میں نہیں رکھا ہے اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ "انہ لا دخل لأکثر ما یروی من اسباب النزول فی فہم معانی الآیات الکریمۃ" (الفوز الکبیر ص ۹۸)

مصنف نے مولانا فراہیؒ کے نظریۂ نظم کو ان کی اس موضوع سے متعلق کتابوں کے علاوہ ان کی تفسیر سے بھی سمجھنے کی کوشش کی ہے اور یہ اندازہ کرنے میں غلطی نہیں کی ہے کہ مولانا فراہی کے یہاں نظم کا مفہوم کس اعتبار سے دیگر قائلین نظم سے مختلف ہے۔ یعنی یہ کہ قرآن میں نظم کے معنی ان ائمہ کے نزدیک محض مناسبت یا تناسب کے ہیں جسے انھوں نے اپنی تفسیروں میں آیتوں اور سورتوں کے درمیان دکھایا ہے، جبکہ مولانا فراہیؒ کے نزدیک "مناسبت"، نظم کا صرف ایک جزو ہے۔ اس کے باقی دو اجزاء "ترتیب" اور "وحدانیۃ" ہیں۔ گویا کسی کلام کو منظم کلام اسی وقت کہا جاسکتا ہے جب اس میں ترتیب اور تناسب ہو نیز وہ کلام اپنی ترتیب اور اجزاء کے تناسب کے ساتھ معنی کی وحدت بھی رکھتا ہو یا دوسرے لفظوں میں وہ ایک جامع موضوع کے تحت ہو۔

مصنف کا خیال ہے کہ قرآن میں اس نوعیت کے نظم کی دریافت کا سہرا اگرچہ مولانا فراہیؒ کے سر ہے لیکن مولانا امین احسن اصلاحی نے اس میں جزوی تغیر اور تبدیلی کے ساتھ بعض قابل لحاظ اضافے بھی کئے ہیں۔ اپنے اس دعوے کو انھوں نے متعدد مقامات پر دہرایا ہے اور چند امور بطور ثبوت پیش کیے ہیں، مثلاً:

۱۔ مولانا اصلاحی نے قرآن مجید کی جملہ سورتوں کو سات گروپ میں تقسیم کیا ہے اور انھیں زوج زوج بتایا ہے یعنی ہر سورہ اپنا ایک مثنیٰ بھی رکھتی ہے۔

۲۔ مولانا اصلاحی کے بیان کے مطابق ان میں سے ہر گروپ ایک یا ایک سے زائد مکی سورتوں سے شروع ہوتا ہے اور ایک یا ایک سے زائد مدنی سورتوں پر تمام ہوتا ہے، ہر گروپ میں پہلے مکی سورتیں ہیں، ان کے بعد مدنی سورتیں ہیں یعنی ہر گروپ میں مکی اور مدنی سورتوں کے واضح بلاک ہیں، مکی بلاک میں کوئی مدنی سورہ نہیں ہوتی، اسی طرح مدنی بلاک میں کوئی مکی سورہ نہیں ہوتی۔

۳۔ مولانا اصلاحی کا خیال ہے کہ ہر گروپ کے اندر اسلامی دعوت کے تمام ادوار ابتداء سے لے کر انتہا تک نمایاں ہوئے ہیں البتہ نمایاں ہونے کا پہلو ہر گروپ میں مختلف ہے (ص ۳۵)

مولانا اصلاحی کے جو اضافے مصنف نے بیان کیے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ مولانا فراہیؒ

نے صرف ایک مدنی سورہ کی، جو کہ بہت ہی مختصر ہے، تفسیر لکھی ہے، ان کے باقی تفسیری اجزا چھوٹی مکی سورتوں پر مشتمل ہیں۔ ایسی صورت میں ان کے تصور نظم کے متعلق سوال پیدا ہوتا ہے کہ طویل مدنی سورتیں جو کہ مختلف اور متفرق احکام پر مشتمل ہوتی ہیں کیا ان میں اسی طرح نظم کو دریافت کرلینا ممکن ہے جیسا کہ چھوٹی سورتوں میں مولانا نے کیا ہے اور کیا اس نظریہ کو اتنی ہی کامیابی سے ان سورتوں میں بھی ڈھونڈا جاسکتا ہے۔ اس وجہ سے کہ مکی سورتیں بالعموم اسلام کے بنیادی عقائد اور اصولی باتوں سے تعرض کرتی ہیں۔ اس لیے ان میں نظم تلاش کرلینا چنداں مشکل کام نہیں۔ اس سوال کے جواب کے لیے ظاہر ہے کہ ہمیں مولانا اصلاحی کے یہاں چلنا پڑے گا۔

اس ضمن میں مصنف نے سورتوں کے عمود یا ان کے مرکزی خیال اور موضوع کے مسئلہ کو اٹھایا ہے کیونکہ عمود ہی نظم کی کلید ہے اور اسی پر پوری سورہ کے نظم کا دارومدار ہوتا ہے اور یہی ہر سورہ کو ایک مستقل وحدت عطا کرتا ہے۔ چونکہ ہر سورہ کا ایک ہی عمود یا موضوع ہوتا ہے اس لیے اس سورہ کے تمام اجزاء اور اس سے گہری مناسبت اور وابستگی رکھتے ہیں۔ اب اگر طویل سورتوں بالخصوص طوال مدنیات میں عمود کے تعین میں کامیابی حاصل ہوجاتی ہے تو گویا ان کے اندر نظم کی تلاش کا مسئلہ حل ہوجاتا ہے۔ مصنف نے اس باب میں مولانا اصلاحی کی مساعی جمیلہ کو پورے شرح و بسط کے ساتھ پیش کیا ہے اور یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ مدنی سورتیں اپنے نظم کی مشکلات کے ساتھ ایک چیلنج بن کر ان کے سامنے آئی ہیں جس کا جواب انھوں نے خود اپنے طور پر دیا ہے کیونکہ انھیں اس امر میں اپنے استاذ سے کوئی رہنمائی نہیں ملی ہے مزید برآں مولانا اصلاحی نے بعض سورتوں (تحریم، مرسلات اور عبس) کے عمود اپنے استاذ سے مختلف بتائے ہیں بالخصوص سورہ عبس کے عمود میں دونوں کے درمیان بین فرق ہے اور جو عمود مولانا اصلاحی نے متعین کیے ہیں وہ زیادہ موزوں اور مناسب ہیں (ص ۴۳-۴۴ و ص ۴۶ کا حاشیہ)۔ مصنف نے مثال میں سورہ تحریم اور عبس کے عمود کو پیش کیا ہے۔ سورہ تحریم کے عمود کے تحت مولانا اصلاحی لکھتے ہیں:

"الطلاق اور التحریم علی الترتیب یہ تعلیم دے رہی ہیں کہ نفرت اور محبت دونوں طرح کے حالات کے اندر اللہ تعالیٰ کے حدود کی پابندی واجب ہے۔ چنانچہ

سابق سورہ میں بتایا کہ نفرت کے اندر کس طرح حدودِ الٰہی کا احترام قائم رکھا جائے۔ اب اس سورہ (تحریم) میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ محبت کے اندر کس طرح اللہ تعالیٰ کے حدود کی حفاظت کی جائے" (تدبّر ج ۷، ص ۴۵۱)

مولانا فراہیؒ اس سورہ کے نظام کے تحت گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ سورہ اور سورہ طلاق جو اس سے پہلے ہے دونوں ایک ہی اصل کی شاخیں ہیں"

اور سورہ کے عمود کے تحت فرماتے ہیں:

"اس سورہ کا مقصود یہ بتانا ہے کہ انسان کو خدا نے جو امانت سونپی ہے۔ اس کے لیے نجات کی راہ صرف یہ ہے کہ وہ اس ذمہ داری کا سچا احساس رکھے۔ اس طرح یہ سورہ گمراہی کے تمام اسباب کا سدّباب کر رہی ہے تاکہ جو پاک ہونے کے قابل ہیں وہ نیکی اور پاکیزگی کی راہ اختیار کریں اور جو ہلاک ہونا چاہتے ہیں ان پر خدا کی حجت پوری ہو جائے"

مولانا اصلاحی کا بتایا ہوا عمود اس سورہ کی چھٹی آیت سے آگے کے مضامین کا احاطہ نہیں کرتا۔ اگر ان کے عمود کو صحیح مان لیا جائے تو آخر کی چھ آیتیں اس سے قطعاً غیر متعلق ہو جاتی ہیں جبکہ مولانا فراہیؒ کے متعین کردہ عمود سورہ کے تمام اجزاء سے متعلق دکھائی دیتے ہیں۔

سورہ عبس کے عمود سے متعلق مولانا اصلاحی کے الفاظ تقریباً وہی ہیں جو مولانا فراہیؒ کے ہیں لیکن چونکہ مولانا اصلاحی نے اسے سورۂ نازعات کی جوڑ والی سورہ بتایا ہے اس لیے مصنف سے یہ چوک ہوئی کہ انھوں نے سورہ نازعات کا عمود اس سورہ کے سر منڈھ دیا۔

مولانا اصلاحی کی مدنی سورتوں کی تفسیر نیز وہ مکیات جن کی تفسیر مولانا فراہیؒ نے نہیں کی ہے انھیں **مصنف** نے مولانا اصلاحی کی طبع زاد تفسیر قرار دیا ہے۔ کیونکہ ان سورتوں میں نظم کی دریافت کے لیے ان کے سامنے اپنے استاذ کا پیش کیا ہوا کوئی نمونہ نہیں تھا (ص ۴۵ و ۴۶)۔ مولانا اصلاحی ان کے اندر نظم تلاش کرنے میں کسی حد تک کامیاب ہو سکے اس کے لیے مصنف نے سورہ نساء جو کہ طویل سورتوں میں سے ایک ہے، کی تفسیر کو جائزہ کے لیے بطور نمونہ سامنے رکھا ہے۔ نساء کے بجائے بقرہ یا آل عمران کی تفسیر کو موضوع بحث نہ بنانے کی دو وجہیں انھوں نے بتائی ہیں: ایک تو ان سورتوں کی کسی قدر

تفسیر، مولانا اصلاحی کے بیان کے مطابق، مولانا فراہیؒ نے لکھی ہے لیکن وہ ابھی تک طبع نہیں ہو سکی ہے۔ دوسرے ان میں نظم کا کوئی اہم مسئلہ نہیں ہے (ص ۴۶) حالانکہ مولانا اصلاحی نے ان میں نظم کی مشکلات کا ذکر کیا ہے، خاص طور پر سورہ بقرہ کے متعلق لکھا ہے کہ یہ "ہمت شکن مشکلات کا مجموعہ ہے"۔ (تدبر، جلد ۱ مقدمہ ح)

مصنف کے پیشِ نظر، غالباً اپنی تھیسس کے موضوع کے اعتبار سے، مولانا اصلاحی کی امتیازی خصوصیات کی دریافت ہے اس لیے ان کا زیادہ زور اس بات پر ہے کہ نظم قرآن کے باب میں مولانا اصلاحی کا ایک علیحدہ درجہ متعین کیا جائے۔ چنانچہ انھوں نے مولانا کی تفسیر کے بڑے حصہ کو ان کی طبع زاد ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلہ میں ان کی یہ بات بڑی حد تک درست ہے کہ مولانا اصلاحی نے اپنے استاذ کے تصور نظم کو پورے قرآن پر منطبق کرنے کی کوشش کی جو بجائے خود ایک بہت بڑا کارنامہ ہے لیکن یہ کہنا کہ انھیں اس سلسلہ میں اپنے استاذ سے کوئی رہنمائی نہیں ملی شاید زیادتی کی بات ہوگی۔ کیونکہ مصنف نے مولانا فراہیؒ کی جن دو غیر مطبوعہ سورتوں کی تفسیر کا حوالہ دیا ہے اور جس کا مسودہ "تفسیر نظام القرآن و تاویل الفرقان بالفرقان" کے نام سے محفوظ ہے وہ مولانا اصلاحی کے پیش نظر رہا ہے۔ مولانا فراہیؒ کی کتاب دلائل النظام کے صفحہ ۱۰ کے حاشیہ میں جو "تلخیص مطالب السور ونظامها" کے ذیل میں ہے مرتب نے مذکورہ تفسیر کے متعلق لکھا ہے کہ "اس میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے تمام سورتوں کے مطالب کی تلخیص کی ہے اور ان کے نظم کو پورے طور پر واضح کر دیا ہے"۔ نیز دلائل النظام ہی میں مولانا فراہیؒ نے جملہ سورتوں کے عمود اجمالاً بیان کر دیے ہیں جن سے سورتوں کے نظام پر روشنی پڑتی ہے۔ مزید برآں پورے قرآن مجید پر مولانا کے حواشی غیر مطبوعہ شکل میں ہم میں سے بہتوں کے پاس موجود ہیں جن میں سورتوں کے مطالب کا تجزیہ بھی ملتا ہے۔ ایسی صورت میں ڈاکٹر میر کے دعوے کا وزن بہت گھٹ جاتا ہے۔

مولانا اصلاحی کے امتیازات میں ایک چیز یہ بھی شمار کی گئی ہے کہ انھوں نے ہر سورہ کو زوج زوج بتایا ہے یعنی وہ اپنا ایک جوڑا اور مثنی بھی رکھتی ہے اور ان میں اسی طرح کی مناسبت ہے جس طرح کی زوجین میں ہوتی ہے۔ ایک میں جو خلا ہوتا ہے دوسری اس خلا کو بھرتی ہے۔ ایک میں جو پہلو مخفی ہے دوسری اس کو اجاگر کرتی ہے۔ مصنف کا خیال ہے کہ یہ مولانا اصلاحی کا اپنا پیش کردہ

تصور ہے (ص ۵،) حالانکہ یہ بات بھی محل نظر ہے۔ اس وجہ سے مولانا فراہی نے ہمارے علم کی حد تک کم از کم اپنے حواشی میں اس تصور کو پیش کیا ہے۔ مثال کے طور پر مولانا اصلاحی سورہ آل عمران کی تفسیر میں سورہ کے موضوع اور سابق سورہ سے اس کے ربط کے تحت لکھتے ہیں:

"دونوں میں زوجین کی نسبت ہے۔ ایک میں جو بات مجمل بیان ہوئی ہے، دوسری میں اس کی تفصیل بیان ہو گئی ہے۔ اس طرح ایک میں جو خلا رہ گیا ہے دوسری نے اس کو پُر کر دیا ہے" (ج ۱ ص ۶۱۱)

مولانا فراہیؒ اس سورہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

"و فی ہذہ السورۃ فصّل ما أجمل فی البقرہ و اجمل ما فصّل ھناک"

"و ھذہ سورۃ أحد کما ان البقرہ سورۃ بدر"

"و اعلم أن ھذہ السورۃ تکمل نکتۃ العمل و سورۃ البقرۃ نقطۃ العلم. فنسبتھما نسبۃ الایمان والاسلام"

مولانا اصلاحی نے اس ضمن میں غزوہ بدر اور غزوہ اُحد کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"اس پہلو سے غور کیجئے تو آپ محسوس کریں گے کہ جس طرح سورہ بقرہ سورۂ بدر ہے اسی طرح سورہ آل عمران سورۂ احد ہے۔ مزید غور کیجئے تو یہ بات بھی واضح ہو گی کہ بقرہ میں ایمان کی حقیقت واضح کی گئی ہے اور اس سورہ میں اسلام کی"

سورۂ اعراف کو مولانا اصلاحی نے سورہ انعام کی مثنیٰ بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ "سورہ انعام میں جیسا کہ تفصیل سے واضح ہوا قریش کو اسلام کی دعوت دی گئی ہے۔۔۔۔ انعام کے بعد اعراف، انعام کی مثنیٰ سورہ ہے۔ اس میں دعوت کے بجائے انذار کا پہلو غالب ہے" (ج ۲ ص ۵۹۱)۔

مولانا فراہیؒ نے سورہ اعراف کے حاشیہ میں اسے بعض امور میں ماقبل سورہ کے مثل بتایا ہے اور دونوں کے فرق کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے:

"ولکن تلک داعیۃ و ہذہ منذرۃ بالعذاب والقیامۃ"

اسی طرح مولانا اصلاحی نے سورہ ھود کو سورہ یونس کی مثنیٰ بتایا ہے (ج ۳ ص ۳۴۰) اور مولانا فراہیؒ سورہ یونس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

"ھذہ السورۃ وسورۃ ھود توأمتان"

ایسے ہی سورہ رعد کے حاشیہ میں مولانا فراہی نے لکھا ہے:

"ھذہ السورۃ مثل سورۃ یوسف فی اثبات العدل من الحکمۃ والقدرۃ ومنہا اثبات القیامۃ. والمقصود أن الأبرار لھم الفوز والغلبۃ"

مولانا اصلاحی اس سورہ کے عمود کے تحت رقم طراز ہیں:

"یہ سورہ، سورۂ یوسف کے توأم اور جوڑے کی حیثیت رکھتی ہے۔ دونوں کے عمود میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ قرآن کے نزول نے حق و باطل کے درمیان جو کشمکش برپا کر دی تھی انجام کار کامیابی اس میں جس گروہ کو حاصل ہونے والی تھی اس کو اس میں نمایاں فرمایا ہے" (ج ۳ ص ۵۰۹)

مولانا اصلاحی نے سورتوں کی جو گروپنگ کی ہے اس کے متعلق مصنف کا بیان ہے کہ یہ تصور گرچہ انھوں نے اپنے استاذ سے لیا ہے لیکن مولانا فراہی کے یہاں یہ بالکل ابتدائی اور نامکمل شکل میں ہے۔ وہ اسے واضح طور پر پیش نہیں کر سکے ہیں۔ مولانا اصلاحی نے اس تصور کو آگے بڑھایا ہے اور انتہائی محنت اور دیدہ ریزی سے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا ہے چنانچہ اس عمل میں وہ اپنے استاذ سے سبقت لے گئے ہیں۔ ان کا یہ کارنامہ بھی بڑی حد تک اوریجنل ہی کہا جائے گا (ص ۸۵)۔ مولانا اصلاحی نے تدبر کے مقدمہ میں سورتوں کے گروپ کی تفصیلات پیش کی ہیں لیکن ان کے بیان سے اندازہ نہیں ہوتا کہ انھوں نے کوئی اہم بات کہنے کا قصد کیا ہو بلکہ اس کے برعکس ان کے الفاظ ایسے ہیں گویا یہ کوئی عام بات ہو جس کا ہر کوئی اندازہ کر سکتا ہے۔

مولانا فراہی نے سورتوں کی جو گروپنگ "دلائل النظام" میں قائم کی ہے اس سے مولانا اصلاحی کے متعین کردہ سات گروپ میں سے پانچ گروپ مطابقت رکھتے ہیں۔ مولانا اصلاحی کے ساتویں اور مولانا فراہیؒ کے آٹھویں اور نویں گروپ میں بھی باہم مطابقت ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ مولانا فراہی نے معوذتین کا ایک الگ گروپ بنا دیا ہے۔ مولانا اصلاحی کے تیسرے گروپ کی سورتیں مولانا فراہی کے یہاں دو گروپوں (۳ و ۴) میں تقسیم ہیں۔ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ مولانا فراہی نے سورۂ حج کو مدنی بتایا ہے اور یہ رائے امام زرکشی، ماوردی اور ابو القاسم

نیشاپوری وغیرہ کی بھی ہے نیز مصحف میں بھی مدنی ہی درج ہے جبکہ مولانا اصلاحی نے اسے مکی قرار دیا ہے۔ اس لیے ان کے تیسرے گروپ میں مولانا فراہیؒ کا چوتھا گروپ شامل ہو جاتا ہے۔ ان گروپوں میں مکی اور مدنی سورتوں کی تقسیم اور ردولوں کے مواقع مولانا اصلاحی کے یہاں وہی ہیں جو مولانا فراہی کے یہاں ہیں۔ یعنی ہر گروپ میں مکیات پہلے ہیں اور مدنیات بعد میں۔ مزید برآں گروپ کے لحاظ سے مکی اور مدنی سورتوں کے عمود سے متعلق جو بحث مولانا اصلاحی نے کی ہے اس میں بھی وہ منفرد نہیں ہیں۔ مولانا فراہیؒ نے دلائل النظام میں اس سے تعرض کیا ہے اور سورہ فاتحہ سے لے کر الناس تک کے عمود گروپ کے اعتبار سے متعین کیے ہیں۔ ممکن ہے اس کی مزید تفصیلات غیر مطبوعہ "نظام القرآن" میں موجود ہوں جیسا کہ "دلائل النظام" کے مرتب نے اشارہ کیا ہے۔

مولانا اصلاحی نے سورتوں کی گروپنگ اور ان کے زوج زوج ہونے پر قرآن مجید کی آیت "ولقد آتیناک سبعا من المثانی والقرآن العظیم" سے استشہاد کیا ہے۔ ہمارے علم کی حد تک اس آیت کی تفسیر میں وہ منفرد ہیں کیونکہ "سلف سے لے کر خلف تک علماء کا اتفاق ہے کہ "سبع مثانی" سے مراد سورہ فاتحہ ہے" (تفسیر سورہ فاتحہ از مولانا حمید الدین فراہی)۔ مولانا اصلاحی نے مثانی کو مثنیٰ کی جمع بتاتے ہوئے اسے سورتوں کے جوڑے جوڑے ہونے کے معنی میں لیا ہے (ج ۳ ص ۳۲۲) جبکہ لغت میں اس کے دوسرے معانی بھی دیئے ہوئے ہیں۔ جو معنی انھوں نے اختیار کیے ہیں اس میں منفرد ہونے کی وجہ سے جس درجہ محکم اور وافر شہادتوں کی ضرورت تھی وہ فراہم نہ کی جاسکیں ورنہ ان کی رائے ایک مضبوط رائے قرار پاتی اور قابلِ غور ہوتی۔ مزید برآں سبع مثانی سے سورہ فاتحہ مراد لیے جانے کی رائے کے رد میں مولانا نے کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ ڈاکٹر مستنصر نے بعض دوسری آرا خصوصاً "سبع أحرف" کی رائے کے رد میں مولانا کے استدلال کو تسلیم کیا ہے اور اسے معقول بتایا ہے لیکن یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ جو تعریف خود مولانا نے سبع مثانی کی بتائی ہے، یعنی سات گروپوں کے معنی میں، اسے کلی طور پر صحیح تسلیم کر لینا بہت مشکل ہے (ص ۹۷)۔

مصنف نے سورتوں کے جوڑے اور ان کی گروپنگ سے متعلق مولانا اصلاحی کے خیالات کو صرف شرح و بسط کے ساتھ پیش کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ ان کا مکمل تنقیدی جائزہ بھی لیا

ہے اور جہاں جہاں اشکالات اور سوالات پیدا ہوتے ہیں یا جہاں انھیں کوئی کمی دکھائی دی ہے اسے غیر جانب داری کے ساتھ وہ سامنے لائے ہیں۔

بعض معاصر مفسرین سے مولانا اصلاحی کا موازنہ اور ان کی سورۂ فاتحہ کی تفسیر کا تجزیہ، جو ضمیمہ میں شامل ہے، فراہیؒ اسکول کے نظریۂ نظم کی وضاحت کے پہلو سے اِس کتاب کا قابلِ قدر حصہ ہے۔

زیرِ تبصرہ کتاب بنیادی طور پر نظم قرآن کے موضوع پر مولانا امین احسن اصلاحی کے افکار اور "تدبر قرآن" میں ان کی تطبیق اور عملی مظاہر کی ترجمانی و تشریح ہے لیکن اس سے فطری طور پر فن تفسیر بالخصوص نظم قرآن کے میدان میں مولانا حمید الدین فراہی کے عظیم الشان کارناموں پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ نظم قرآن کے باب میں مولانا فراہی نے جو مخصوص نظریہ پیش کیا اور مختلف سورتوں کی تفسیر میں اسے برتا بھی۔ "تدبر قرآن" میں بڑی حد تک انہیں کو نبھانے اور ان کی روشنی میں پورے قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کی ایک کامیاب کوشش کی گئی ہے جو بجائے خود ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ زیرِ تبصرہ کتاب کا موضوع مولانا اصلاحی کا تصور نظم قرآن ہے اس لیے اس میں فن تفسیر سے متعلق مولانا کی امتیازی خصوصیات و خدمات کو نمایاں طور پر پیش کیا جانا ایک فطری امر ہے۔ مزید برآں تفسیر و علوم قرآن سے متعلق مولانا فراہی کی متعدد تحقیقات ابھی تک چھپ نہیں سکی ہیں اور ان تک مصنف کی رسائی نہیں تھی اس لیے نظم قرآن کے مباحث میں مولانا اصلاحی نے جن خیالات و آرار کا اظہار کیا ہے ان کو انہوں نے ان کے تفردات پر محمول کر لیا اور استاذ کے فکر پر اضافہ سے تعبیر کیا۔ ان سب کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ تفسیر کے میدان میں مولانا اصلاحی نے بڑی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں جو ان کے استاذ گرامی قدر کے تفسیری کارناموں کے وسیع تعارف کا ذریعہ بھی بنی ہیں۔

زیرِ تبصرہ کتاب اس اعتبار سے بھی بڑی اہم اور قابل قدر ہے کہ اس کے ذریعہ دانشورانِ یورپ بھی قرآنی علوم بالخصوص نظم قرآن کے باب میں مولانا فراہیؒ اور مولانا اصلاحی کے افکار سے روشناس ہو سکیں گے۔ انگریزی زبان میں نظم قرآن کے موضوع پر یہ پہلی باضابطہ اور کامیاب کوشش ہے جس کے لیے مصنف لائقِ مبارکباد ہیں۔

(عبید اللہ فراہی)